© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

جماعت اسلامی کا مقصد، بحیثیت جماعت کے، اس دنیا میں اقامتِ دین کی سعی ہے۔ ہر شخص جو جماعت میں شامل ہوتا ہے، اس کا ذاتی مقصد دنیا میں اس سعی کے ذریعہ رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے۔ رضائے الٰہی کا حصول ہی اس کی اصل کامیابی ہے۔ اقامتِ دین کے معنی یہ ہیں کہ "پوری انسانی زندگی --- انفرادی اور اجتماعی --- میں وہ ہمہ گیر انقلاب رونما ہو جو اسلام رونما کرنا چاہتا ہے۔" اس سعی میں، جماعت "جس انتہائی منزل تک پہنچنا چاہتی ہے وہ یہ ہے کہ فساق و فجار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامتِ صالحہ کا نظام قائم ہو۔" ہم رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ امامتِ صالحہ کی اس منزل تک پہنچنے کی سعی وجہد ہی کو سمجھتے ہیں۔

یہ امامت پوری زندگی کی اور اس کے ہر شعبہ کی امامت و قیادت ہے۔ لیکن بانیٔ جماعت مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں، "یہ بات کسی اشتباہ کے بغیر واضح ہے کہ حکومت کی "زمامِ کار کی تبدیلی کو ہمارے نظامِ فکر و عمل میں آغازِ تحریک ہی سے بنیادی اور مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر میں بلا خوفِ تردید یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ دراصل یہی وہ امتیازی وصف ہے جو زمانۂ قریب کی تاریخ میں، کم از کم برعظیم ہند کی حد تک، جماعتِ اسلامی کی تحریک کو دوسری تحریکوں سے ممیز کرتا ہے۔"

اسی لیے پاکستان میں ہماری جدّوجہد میں اس تصوّر کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے کہ یہاں اسلامی نظامِ زندگی عملاً قائم کرنے کے لیے قیادت کی تبدیلی ناگزیر ہے۔

جماعت اپنے پیشِ نظر درج بالا اصلاح و انقلاب اور تبدیلی کے لیے، اپنے دستور کی رو سے، اس بات کی پابند ہے کہ وہ جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے۔ جماعت کا دستور ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوری اور آئینی طریقوں کا تعین نہیں کرتا' اور بجا طور پر نہیں کرتا' کیوں کہ حالات کے لحاظ سے ان طریقوں کی عملی صورتیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن ۱۹۵۷ میں ماچھی گوٹھ میں جماعت کے ارکان کے اجتماعِ عام نے یہ طے کر دیا کہ ہم جس ملک میں کام کر رہے ہیں وہاں ایک آئینی وجمہوری نظام قائم ہے' اور اس نظام میں قیادت کی تبدیلی کا ایک ہی آئینی راستہ ہے' اور وہ ہے انتخابات کا راستہ۔ اس طرح انتخابات میں کامیابی ہمارے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہو گئی' کیونکہ اقامتِ دین کی سعی میں اپنی انتہائی منزل تک پہنچنے کا انحصار انتخابات میں کامیابی پر ٹھہرا۔

جب ہم نے حکومت کی زمامِ کار میں تبدیلی کے لیے انتخابات کی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا' تو ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہو گیا کہ ایک طرف اس راہ کو مسدود کرنے کی ہر کوشش کی بھرپور مزاحمت کریں' اور دوسری طرف وہ تمام ممکنہ جائز تدابیر اختیار کریں جن سے انتخابات میں' اور اس طرح اپنے مقصد کے حصول میں' کامیابی ممکن ہو سکے۔

چنانچہ جب بھی انتخابات کی راہ مسدود کی گئی' آئینی و جمہوری نظام کو ختم کیا گیا' بنیادی حقوق غصب کیے گئے' بالغ رائے دہی کا حق سلب کیا گیا' تو جماعت نے ان اقدامات کے خلاف ہر طرح کے حلیف کے ساتھ اتحاد کیا' ان کے ساتھ متحد ہو کر بحالیِ جمہوریت کی تحریک چلائی' اور جیسے کچھ بھی انتخابات ہوئے ان میں حصہ لیا۔ ۱۹۷۷ کے بعد سے جمہوریت اور انتخابات کے بارہ میں ہمارے ہاں کتنا ہی فکری الجھاؤ پیدا کیا گیا ہو' اور پیدا ہو گیا ہو' اور اسلامی شورائیت بمقابلہ جمہوریت کی کتنی ہی مغالطہ آمیز فضا پیدا کر دی گئی ہو' ان دونوں کے ہماری ترجیحات میں ہمیشہ سرفہرست رہنے کی دینی اور فکری بنیاد روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اسی طرح 'انتخابات میں کامیابی ممکن بنانے' یا سیکولر اور مخالفِ جمہوریت واسلام عناصر کو ناکام کرنے' کے لیے بھی ہم برابر مختلف تدابیر اختیار کرتے رہے۔ ان تدابیر کے ضمن میں' سب سے بڑھ کر ہم ہمیشہ' صرف مقصد سے اتفاق کی بنیاد پر' بالکل مختلف اور متنوع عناصر کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ان کی قوتوں کو مجتمع کرتے رہے ہیں۔

انتخابی عمل اپنی ماہیت کے لحاظ سے ایک اتحادی عمل ہوتا ہے۔ یعنی ہر طرح کے خیال اور کردار کے حامل انسانوں میں سے زیادہ سے زیادہ تعداد کو' ایک حلقے یا پورے ملک میں' اپنے پیچھے بیلٹ بکس میں متحد اور جمع کر لینے میں کامیابی ہی پر انتخاب میں کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ ایک انسانی معاشرہ کے تمام افراد اپنی سوچ اور کردار کے معیار کے لحاظ سے کبھی بھی یکساں' ہم رنگ' اور ایک طرح کے نہیں ہوئے' نہ ہو سکتے ہیں۔ ان میں بے پناہ تنوع اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرق واختلاف کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ انتخابی عمل کا انحصار انہی مختلف افراد اور عناصر پر ہوتا ہے ' اور کامیابی کے لیے انہی کی ایک متعدبہ تعداد کی حمایت کو مجتمع کرلینا ضروری ہوتا ہے۔

یہ معاملہ صرف انتخابی عمل ہی کا نہیں ' کسی بھی سماجی عمل کے لیے جو ایک انسانی معاشرہ میں انسانوں ہی کی قوت کے ذریعہ تغیراور اصلاح وانقلاب کا کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہو ' حتیٰ کہ جنگ اور جہاد جیسے عمل کے لیے بھی ' یہ ناگزیر ہے کہ وہ کامیابی کے لیے ہر طرح کے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ قوت کو اپنے مقصد کے پیچھے متحد اور مجتمع کر لے۔ ہمارے اپنے ملک میں تحریکِ پاکستان سے لے کر پیپلزپارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد تک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جنگ کے میدان میں بھی ایسی ہی مثالیں موجود ہیں۔ جرمنی نے روس کے ساتھ اتحاد کیا ' پھر روس اور امریکہ اور برطانیہ کو اتحاد کرنا پڑا ' اور حال ہی میں جنگِ خلیج کے موقع پر بالکل مختلف اور متضاد بلکہ معاند قوتوں کو بھی متحد اور مجتمع کیا گیا حالانکہ عسکری قوت کے لحاظ سے یہ کچھ ایسا ضروری بھی نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ تشریف لاتے ہی یہودیوں تک کو ایک ملتِ واحدہ میں ' اپنی قیادت میں ' متحد فرمایا' اور پھر زیادہ سے زیادہ کافر اور مشرک قبائل سے جس نوعیت کا ممکن ہوا اس نوعیت کا حلیفانہ معاہدہ کیا۔

اس قسم کے ہر عمل میں اپنے مقصد کا پورا فہم رکھنے والے اور اس کے لیے یکسو ' اور اس کے معیار پر پورا اترنے والے ' تربیت یافتہ افراد کا ایک نیوکلیئس ضروری ہے ' اور یہ نیوکلیئس ہی قیادت فراہم کرتا ہے ' لیکن معرکے جیت لینے کے لیے اس کو اپنے گرد ایک بہت وسیع ہالہ بنانا ناگزیر ہے 'جو لازماً'' خیال اور عمل کے لحاظ سے متنوع اور مختلف افراد پر مشتمل ہوگا۔

لٰہذا ' ہرسیاسی وسماجی عمل کی طرح ' انتخابی عمل میں بھی کامیابی کا امکان پیدا کرنے کے لیے مختلف النوع عناصر کو اپنے مقصد کے پیچھے جمع کر لینے کی کوئی نہ کوئی تدبیر اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ اس حقیقت کا ادراک ہی تھا کہ بانی جماعت'' نے ۱۹۵۶ کے دستور کے تحت ہی متوقع انتخابات کے لیے نظامِ اسلام پارٹی بنوائی بھی ' اور اس کے ساتھ انتخابی معاہدہ بھی کیا۔ اس کے ساتھ ہی ' انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ بھی اسی قسم کے معاہدہ کے لیے بات چیت شروع کردی تھی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ۱۹۵۱ میں پنجاب میں انتخابات میں پہلی شرکت کے لیے پارٹی ٹکٹ کے بجائے پنچایتی نظام کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا ' جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک وسیع تر بنیاد پر مختلف النوع افراد کے اتحاد ہی کی ایک صورت تھی۔

اسی طرح جب ایوب خاں نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست انتخابات کی راہ مسدود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دی ' تو یہ راہ کھولنے کے لیے انہوں نے سہروردی ' بھاشانی اور مجیب الرحمٰن جیسے عناصر تک کے ساتھ اتحاد بنایا ' اور اس مقصد کے لیے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت سے بھی گریز نہ کیا۔ ۱۹۷۰ کے انتخابات کے لیے ایک نام سے کوئی اتحاد تو نہ بنا ' لیکن مسٹر بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر حلقہ میں واحد امیدوار کھڑا کرنے کی خاطر مختلف جماعتوں کے ساتھ ممکنہ مفاہمتیں کی گئیں۔

انتخابی عمل کے تقاضوں کے اسی ادراک کا نتیجہ تھا ' اور اسی پالیسی کا تسلسل ' کہ ۱۹۷۰ کے بعد سے آج تک جماعت نے ہر انتخاب میں کسی نہ کسی اتحاد کی صورت ہی میں حصہ لیا ہے۔ نہ نام جماعت کا تھا ' نہ نشان اپنا تھا ' نہ منشور۔ ۱۹۸۵ کے غیر جماعتی انتخابات میں تو اس کے علاوہ کوئی چارا نہ تھا ' ۱۹۷۷ میں بھی وہ پاکستان قومی اتحاد کے پرچم تلے تھی جہاں اصغر خاں اور بیگم نسیم ولی خان جیسے لوگ بھی موجود تھے ' اور ۱۹۸۸ اور ۱۹۹۰ میں وہ اسلامی جمہوری اتحاد کا حصہ تھی۔ ان تمام انتخابات میں نہ صرف جماعت ' انتخابات کی حد تک ' ایک دوسری اتحادی تنظیمی ہیئت میں ضم ہو گئی تھی ' بلکہ اس اتحاد میں اس کی آواز فیصلہ کن بھی نہ تھی۔

پھر یہی وجہ تھی کہ قرار دادِ ماچھی گوٹھ (۱۹۵۷) میں جب انتخابات میں حصہ لینے کا طریقِ کار اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا ' تو اس میں " بالواسطہ " حصہ لینے کی گنجائش خاص طور پر رکھی گئی ' اور امیرِ جماعت" کی اس ہدایت کے ساتھ رکھی گئی کہ " وسیع پالیسی بنا کر مجلسِ شوریٰ کو دے دیجیے ' تفصیلات طے کر کے اپنے ہاتھ باندھ نہ لیجیے "۔ " بالواسطہ " حصہ لینے کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ براہِ راست جماعتِ اسلامی کے نام سے انتخاب لڑنے کے بجائے ایسے عناصر کو کامیاب کرانے کی کوشش کرنا جو " اسلامی نظام کے قیام کے مقصد میں ہم سے متفق ہوں ' اور جن سے ہم یہ امید رکھتے ہوں کہ وہ اس کے قیام کی کوشش میں مددگار بن سکیں گے۔ "

" بالواسطہ " حصہ لینے کی گنجائش رکھنے کا فیصلہ کتنا حکیمانہ تھا ' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۰ کے بعد سے جماعت نے جب بھی انتخاب میں حصہ لیا تو کلیتاً " بالواسطہ " ہی لیا۔ اس لیے کہ اتحاد میں شامل ہو کر حصہ لینا " بالواسطہ " حصہ لینا ہی ہے ' جس میں ہم نے نہ صرف اتحاد کے ہر قسم کے نمائندوں کی حمایت کی ' بلکہ اپنے براہِ راست نمائندوں کو بھی اتحاد کے واسطہ سے کھڑا کیا۔

درج بالا تجزیہ اور تاریخی پس منظر میں ' اور آج کے حالات میں جب کہ ہم طرح طرح کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتحادوں کا، اور آخر میں اسلامی جمہوری اتحاد کا، تجربہ کر چکے ہیں، اس مسئلہ پر گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے کہ اندریں حالات ہمارے لیے انتخابات کے ذریعہ اپنے مقصد کا حصول ممکن بنانے کے لیے بہترین تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ ایسی تدبیر جو انتخابی عمل کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہو، جو قرار دادِ ماچھی گوٹھ کے فریم ورک کے اندر بھی ہو، جو ماضی کی پالیسی سے مختلف و متضاد بھی نہ ہو بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس کے تسلسل میں ہو، جو قابلِ عمل بھی ہو، اور جو نتیجہ خیز ہونے کا امکان بھی رکھتی ہو۔

غور کیا جائے تو ہمارے سامنے، جوہری طور پر، دو ہی راستے ہیں، اگرچہ ان دونوں راستوں کی عملی شکلیں اپنی تفصیلات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جماعت براہِ راست اور تن تنہا انتخاب میں حصہ لے، دوسرے یہ کہ کسی وسیع تر تنظیم کے ذریعہ لے۔ صرف براہِ راست اور تن تنہا حصہ لینا، جیسا ہم نے تجربہ کیا ہے، انتخابی عمل کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں جب بھی انتخابات کا وقت آیا تو ملک کے حالات کی وجہ سے ہم نے جماعتوں کے وسیع تر اتحاد میں شامل ہو کر حصہ لینے کی پالیسی ہی اختیار کی۔ آج اگر ہم صرف براہِ راست حصہ لینے کے راستہ کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر بھی لیں، تو کل عین انتخابات کے وقت غالباً ہم ماضی سے مختلف پالیسی اختیار نہیں کر سکیں گے۔

جہاں تک جماعتوں کے ساتھ اتحاد کا تعلق ہے، تو ماضی کے تجربات، اور حال ہی میں اسلامی جمہوری اتحاد میں شرکت اور اس سے علیحدگی کے تجربہ، کے بعد اس راستہ کو قبول کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ، ہم جو راستہ بھی اختیار کریں، کسی بھی انتخاب کے وقت، ملک کے حالات اور ضرورت کے لحاظ سے، ایک یا ایک سے زائد جماعتوں کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت یا معاہدہ کا دروازہ ابھی سے بند کر لینا کوئی دانشمندی نہ ہو گی۔

صرف براہِ راست حصہ لینے کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جماعت اپنی موجودہ تنظیم کو، انتخابی عمل کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے، اتنا وسیع کر دے کہ اس میں مختلف خیال کے اور مختلف معیار کے وہ تمام عناصر شریک ہو سکیں جو اسلامی نظام کے قیام اور اس مقصد کے لیے زمامِ کار تبدیل کرنے کے مقصد کی حد تک ہم سے متفق ہوں۔ یہ راستہ اختیار کرنے کی صورت میں، ایک طرف قابلِ اعتماد اور تربیت یافتہ افراد کا وہ نیوکلیس ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو سکتا ہے جو جماعت نے نصف صدی کی محنت سے جمع کیا ہے، اور اس طرح عوام الناس کی صحیح رہنمائی، مختلف عناصر کو صحیح راہ پر رکھنے، اور اپنی اصل منزل تک پہنچنے کے امکانات بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخدوش ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف جماعت کے لیے ایسے مختلف عناصر کو اپنے اندر سمونا اور سمیٹ کر رکھنا بھی مشکل ہو سکتا ہے۔

براہِ راست اور تن تنہا حصہ لینے کی ایک اور شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم کسی قرینِ قیاس مدت میں انتخابات کے ذریعہ زمامِ کار کی تبدیلی میں کامیابی پر بالکل نظر نہ رکھیں' صرف ان چند نشستوں پر حصہ لیں جہاں ہماری کامیابی کا امکان ہو' اور فی الجملہ یہ شرکت صرف دعوت کی غرض سے اور ایک پریشر گروپ کی حد تک کامیابی کے ہدف کے لیے ہو۔ انتخابات کا مقصد تو ملک کی زمامِ کار سنبھالنا ہوتا ہے' اور اس کی حیثیت ایک "پرامن" سیاسی جنگ کی ہے۔ اسی لیے ہم انتخابات میں شرکت کو ایک قسم کا جہاد سمجھتے بھی رہے ہیں' اور کہتے بھی رہے ہیں۔ اس قسم کا ہر معرکہ جیتنے کے لیے ہی لڑا جاتا ہے' نہ کہ محض دعوت و تبلیغ کے لیے۔ ایسے معرکہ میں فتح اور کامیابی ہی اصل دعوت ہے' جس کے بعد یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا منظر سامنے آ جاتا ہے' اور شکست سے بڑھ کر دعوت کے منافی کوئی شے نہیں۔ انتخابات میں جو لوگ اپنے بارہ میں یہ تاثر دیں کہ زمامِ کار سنبھالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے' ان کے محدود اثرات بالآخر سکڑتے ہی جائیں گے۔ مزید برآں محدود شرکت سے وسیع ملک گیر دعوت کا مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

پھر' انتخابات میں شرکت کو موثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے' مختلف خیال اور معیار کے لوگوں کو متحد کرنے کی وہ تدبیر کیا ہو سکتی ہے جو جماعت کے اصولوں اور مستقل پالیسی کے فریم ورک میں بھی ہو' اور جس کے نتیجہ خیز ہونے کا امکان بھی ہو؟ مختلف تدابیر سوچی جا سکتی ہیں' اور تمام متبادل تدابیر پر غور کرنا چاہیے' لیکن ایک راستہ جس پر ضرور غور کرنا چاہیے یہ ہے کہ جماعت خود آگے بڑھ کے ایسے تمام عناصر کو ایک وسیع سیاسی محاذ بنانے کی دعوت دے' اور عملاً اس کی تشکیل بھی کرے۔ اس محاذ میں وہ تمام محبِ اسلام' محبِ وطن' اور فرض شناس و دیانت دار افراد شامل ہو سکیں جو نظامِ اسلامی کے قیام کے مقصد میں ہم سے متفق ہوں' ملک میں اب تک کی مختلف حکمران قیادتوں کی حقیقت کو سمجھ چکے ہوں' ملک کی زمامِ کار سنبھالنے کے لیے ایک نئی قیادت بروئے کار لانا چاہتے ہوں' اور اس مقصد کے لیے اپنا وزن' قوت' اور وسائل لگانے کے لیے تیار ہوں۔

ایسا وسیع سیاسی محاذ عین جماعت کے اصولوں اور پالیسی کے مطابق ہو گا' کیونکہ یہ قراردادِ ماچھی گوٹھ میں طے کردہ "بلاواسطہ" حصہ لینے کی ایک عملی تدبیر اور شکل ہی ہوگی۔ اور عین وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصلحتیں پوری کرے گا جو اس وقت پیشِ نظر تھیں۔ ان کو پھر ایک دفعہ ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ اس وقت کہا گیا تھا کہ صرف متفق عناصر کو ' جن کو براہِ راست جماعت نہ کھڑا کرے ' کامیاب کرانے کی کوشش میں اپنی قوتیں لگانا ایک " دشوار گزار گھاٹی " ضرور ہے ' لیکن اس گھاٹی کو طے کرنا اس لیے ضروری ہے کہ

(۱) ہمارے پاس اتنے ذرائع (یعنی موزوں افراد اور وسائل) نہیں ہیں کہ پورے ملک میں سیکڑوں نشستوں پر بیک وقت مقابلہ میں براہِ راست بلاواسطہ حصہ لے سکیں۔

(۲) اتنے مصارف بھی ہمارے بس میں نہیں ہیں۔

(۳) ہمارے اثرات ملک میں یکساں نہیں ' اور جہاں ہم خود نہ جیت سکتے ہوں وہاں اپنی طاقت کسی اچھے اور مفید آدمی کو کامیاب کرانے یا کسی برے آدمی کو روکنے ' کے لیے لگانے کے بجائے اسے معطل رکھنا اور کسی مصرف میں نہ لانا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔

(۴) جماعتِ اسلامی سے باہر جو گروہ اور افراد لادینی کے مخالف اور دینی نظام کے حامی ہیں ان کی قوتیں ایک دوسرے کی مزاحمت میں صرف ہو کر مخالفِ دین عناصر کی مددگار نہ بنیں ' بلکہ ان کے درمیان تعاون ہو۔

(۵) پارلیمنٹ کے اندر بھی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی آئے جو ہمارا ساتھ دینے والے ہوں۔

ان مصالح کے پیشِ نظر ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ جہاں ہم براہِ راست حصہ نہیں لے رہے وہاں ہماری طاقت بے کار ضائع ہونے کے بجائے کسی حامی دین گروہ یا فرد کے حق میں استعمال ہو۔ بلکہ ہم اس حد تک بھی آگے بڑھنے کو تیار تھے کہ کسی نیک اور موزوں آدمی کو خود اٹھنے کا مشورہ دیں ' اور اپنی تائید سے اسے کامیاب کرانے کی کوشش کریں ' بشرطیکہ اسکے اپنے اثرات بھی اس کے حلقہ میں کافی ہوں ' اور اس کی انتخابی جدّوجہد کا سارا بار ہم پر نہ پڑے۔

اب بھلا اگر ایسے موزوں افراد کو اٹھنے کا مشورہ دینے ' اور پھر ان کو کامیاب کرانے کی کوشش کرنے کے بجائے ہم انہیں ایسے محاذ میں شامل کر سکیں جس کو ہم خود تشکیل دیں ' پارلیمنٹ کے اندر بھی وہ اس محاذ کے ڈسپلن کے پابند ہوں ' تو اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ایسے سیاسی محاذ کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کی صورت میں جماعت کا نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نشان انتخابات میں موجود نہ ہوں گے۔ لیکن جیسا ہم سب جانتے ہیں ۱۹۷۰ کے بعد سے جماعت نے ہر انتخاب میں اسی طرح حصہ لیا ہے اور یہ کوئی مختلف یا نئی صورت نہ ہوگی ' بلکہ اب تک کی پالیسی کا تسلسل ہی ہوگی۔ بلکہ ایسا محاذ ' سابقہ اتحادوں کے مقابلہ میں ' جماعت کے مقاصد کے لحاظ سے ' ایک بدرجہا بہتر صورت ہوگی۔ سابقہ سارے اتحاد بنیادی طور پر منفی مقاصد کے لیے ' یعنی برے آدمیوں کو روکنے کے لیے قائم کیے گئے تھے ' جب کہ ایسا محاذ مثبت طور پر اسلامی نظام کے قیام کے لیے ہوگا۔ سابقہ اتحادوں میں سیکولر اور مخالفِ اسلام جماعتیں بھی موجود تھیں ' جب کہ ایسے محاذ میں ایسا کوئی منظم گروہ نہ ہوگا ' اکا دکا افراد ایسے ضرور آ سکتے ہیں مگر بالعموم اسلام دوست افراد ہی ہوں گے۔ سابقہ اتحادوں میں جماعت کئی جماعتوں میں ایک ہوتی تھی' اور کم و بیش اسی کے بقدر قیادت میں ں کا وزن ہوتا تھا' جب کہ اس محاذ کی رہنمائی و قیادت میں جماعت کا وزن فیصلہ کن ہوگا۔ بنیادی طور پر اس وجہ سے کہ جب جماعت خود آگے بڑھ کر اس کی تشکیل کرے گی تو اس کو یہ مقام حاصل ہونا بالکل فطری ہوگا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسے جو افراد محاذ میں آئیں گے جن کے اپنے اثرات بھی انکے حلقے میں کافی ہوں ' ان میں سے بعض اپنی ذاتی اغراض کی خاطر بھی آئیں گے۔ ان کے آنے سے معیار بھی گر جائے گا ' اور پھر محاذ اور مسلم لیگ جیسی دوسری جماعتوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ بات یہ ہے کہ ہر کامیابی کے لیے معرکہ کی مناسبت سے قوت ضروری ہوتی ہے۔ جب ہم نے انتخابات کا طریقہ اختیار کرلیا تو وہی قوت درکار ہے جس سے اس میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ قوت افرادی قوت اور عوامی حمایت و تعداد کی قوت ہے۔ اس قوت کو بقدرِ استطاعت فراہم کرنے کی کوشش کرنا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے تحت ضروری ہے۔ اس قوت کی فراہمی کے لیے توسیع ناگزیر ہے۔ توسیع کی رفتار تیز ہوگی ' تو استحکام میں کمی آنا اور مجموعی معیار میں کمی آنا بھی ایک فطری بات ہے۔ اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جب نبی کریمؐ کے ساتھ لوگ فوج در فوج آئے تھے ' تو " ایک بڑی کثیر تعداد ان میں ایسی تھی جو دین کو پوری طرح سمجھ کر نہیں آئی تھی اور نہ دینی اخلاق کو اپنے اندر جذب کر سکی تھی۔ دین کی روح ان کے اندر اچھی طرح پیدا نہ ہو سکی تھی۔ " مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں " توسیع کتنی بھی ہوتی چلی جائے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ توسیع کو روکنے کی بھی ضرورت نہیں۔ توسیع ہونے دیجیے ' لیکن نیوکلیئس مضبوط بناتے جایئے۔ "

کثرتِ تعداد کی خواہش فی نفسہٖ مذموم نہیں ہے۔ یہ خواہش تو دعوت الی اللہ کی روح اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزاج کا تقاضا ہے کہ زیادہ سے زیادہ انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچے ' وہ اس کو قبول کریں ' اور اس کی نصرت کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ آرزو اس درجہ میں رکھتے تھے اور اس کے لیے اس قدر کوشاں رہتے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی محبت کے ساتھ آپ کو بار بار سمجھایا کہ "سب" ماننے والے نہیں ہیں اور "سب" کے پیچھے آپ خود کو ہلاک نہ کریں۔

جہاد کے لیے جو لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور گھروں سے نکل کر آتے ہیں ان میں بعض فسق وفجور کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں ' بعض کی نگاہیں رضائے الٰہی کے بجائے صرف مالِ غنیمت پر ہو سکتی ہیں ' بعض حمیت و عصبیت کی خاطر بھی آسکتے ہیں ' اور بعض دادِ شجاعت اور ناموری کے لیے بھی لڑ سکتے ہیں۔ لیکن جب تک جہاد ' جہاد فی سبیل اللہ ہے ' اور ان کی قوتیں ایسے جہاد کی تقویت اور کامیابی کے لیے لگ رہی ہیں ' انہیں پہلے بھی جہاد میں شریک کیا جاتا رہا ہے ' اور آج بھی کیا جانا چاہیے۔

جہاں تک کسی دوسری جماعت کے مماثل بن جانے کا خدشہ ہے ' تو یہ ایک مغالطہ آمیز دلیل ہے۔ میدانِ جنگ میں ' اپنی وضع قطع میں ' تنظیم و تربیت میں ' اسلحہ کی نوعیت اور جنگ کے فنی طریقوں میں ' خون ریزی کرنے میں ' مومنین اور کافرین کے لشکروں میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایک ظاہر بیں آدمی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق رہ گیا ہے ؟ لیکن حقیقت بین جانتا ہے کہ تمام ظاہری مماثلت کے باوجود دونوں بالکل مختلف ہیں۔ ایک کا مقصد اعلائے کلمتہ اللہ ہے اور اس کی جنگ 'احکامِ الٰہی اور اخلاقی حدود کی پابند ہے ' جب کہ دوسرے کا مقصد بالکل باطل ہے اور وہ احکامِ الٰہی اور اخلاقی حدود کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ ہماری تدابیر دوسروں کی تدابیر کی طرح ہیں ' اصل سوال یہ ہونا چاہیے کہ ہماری کون سی تدبیر اپنی روح یا ظاہر کے لحاظ سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے خلاف ہے ' یا ان کی عائد کردہ اخلاقی حدود سے متجاوز ہے۔ اور اس معاملہ میں یہ بنیادی اصول ہمیشہ سامنے رہنا چاہیے کہ حکمِ الٰہی کی نافرمانی کر کے رضائے الٰہی کا حصول کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

بعض لوگوں کے نزدیک اقامتِ دین کی سعی کرتے ہوئے دنیا میں کامیابی کا محبوب و مطلوب ہونا ' کامیابی کے لیے نئی نئی تدابیر سوچنا اور انکو اختیار کرنا ' پسندیدہ اور مناسب نہیں ہے۔ حالانکہ آخرت میں رضائے الٰہی کے نصب العین ہونے اور دنیا میں نصرت و فتح کے محبوب و مطلوب ہونے میں ' ایک فرد کے لیے بھی ' کوئی تضاد اور تناقض نہیں۔ اور جماعت تو بنتی ہی ہے دنیا میں کامیابی کے حصول کے لیے۔ اللہ تعالیٰ جنت کو مقصودِ حقیقی بنانے کی دعوت کے ساتھ ساتھ '

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصرت و فتح کے محبوب ہونے کی تحسین فرماتا ہے اور اس کی بشارت بھی دیتا ہے۔ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ (الصف)۔ رضائے الٰہی کے مژدہ کے ساتھ ساتھ فتح کا مژدہ بھی سناتا ہے، اور مال غنیمت کا وعدہ بھی فرماتا ہے۔ " وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا " اور " وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ " (الفتح)۔

یہ غلط فہمی نہ ہو کہ صرف محاذ بنا لینے ہی سے، یا مختلف خیال و معیار کے افراد کی ایک معتدبہ تعداد کو مجتمع اور متحد کرنے کی کوئی اور تدبیر اختیار کر لینے ہی سے، کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس طرح تو صرف ایک راستہ کھل جائے گا، اور چند موانعات دور ہو جائیں گے۔ لیکن راستہ چلنے ہی سے منزل ہاتھ آئے گی۔ اس کے لیے رویوں میں تبدیلی، حسنِ اخلاق، وسعتِ ظرف و نظر، آرزو اور جستجو، تدبر و حکمت، اخوت و محبت، بالغ نظر قیادت اور انتھک محنت کی ضرورت بھی ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر اعتصام باللہ کی، حنیفیت و للٰہیت کی، اور ذکر و اطاعتِ الٰہی کی۔ اس سارے زادِ راہ سے ہر لحہ اور ہر گام آگاہ رہنے اور اس کو فراہم کرنے کی کوشش میں لگے رہنے ہی سے یہ امکان پیدا ہوگا، ہم جو حکمتِ عملی اختیار کریں گے وہ کامیابی سے ہم کنار ہوگی۔

لیکن آج کا چیلنج یہی ہے۔ جماعتِ اسلامی نے نصف صدی کی محنت سے صرف قابلِ اعتماد انسانوں کا ایک مختصر گروہ ہی نہیں بنایا ہے، اس نے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بھی متاثر کیا ہے اور اپنا ہم نوا بنایا ہے۔ یہ انسانوں کا بہت بڑا ذخیرہ فی الحال دنیا میں ہماری انتہائی منزل تک پہنچنے میں اپنا حصہ ادا نہیں کر رہا۔ ان میں سے ہر فرد بے پناہ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ اسی طرح ہمارے معاشرہ میں، اپنی تمام تر خرابیوں کے باوجود، صالحیت چھوٹی بڑی مقدار میں وسیع پیمانہ پر پائی جاتی ہے، جو صالح نظام اور امامتِ صالحہ بروئے کار لانے کے بالکل کام نہیں آ رہی۔ اپنے اندر سے اور اپنے باہر سے صلاحیت اور صالحیت کی ہر رمق کو جمع کر کے مطلوبہ تغیر اور انقلاب و اصلاح کی جدوجہد میں لگا دینے کی حکمتِ عملی ہی پر ہماری کامیابی کا انحصار ہے۔

پاکستان اپنی زندگی کے انتہائی سنگین مسائل کا سامنا کرتے ہوئے قیادت کے بحران سے دوچار ہے، اس کا حل اگر کوئی ہو سکتا ہے تو ایسی کسی حکمتِ عملی ہی میں ہو سکتا ہے۔ آج اور ماضی قریب میں حکومت کے منصب پر فائز قیادتوں نے بدترین نااہلی، بدعنوانی، لوٹ کھسوٹ اور بد انتظامی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ملک میں دینی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی طور پر ایک فسادِ عظیم برپا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدامنی اور خون ریزی ہر طرف عام ہے۔ انسانی شرف و وقار ' اور خصوصاً" عورت کی عزت ' کو بری طرح پامال کیا جا رہا ہے۔ جرائم ' اور سنگین سے سنگین تر جرائم ' اتنے عام ہو گئے ہیں ' اور ان کی شرح اتنی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے ' کہ ہر شہری خوف زدہ ہے۔ کشمیر جل رہا ہے۔ امریکہ پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے اور ہر طرح مفلوج و ضعیف بنانے پر تلا ہوا ہے۔ فلسطین ' بوسنیا ' ہندوستانی مسلمان اور بابری مسجد ' جنگِ خلیج --- یہ سب علامات ہیں اس ذلت و مسکنت کی جو پوری ملتِ اسلامیہ کو درپیش ہے۔ لوگ مایوس ' مضطرب اور حیران کھڑے ہوئے ہیں۔ اس بحران سے نکلنے کا راستہ بتانا ' جماعتِ اسلامی کا فرض ہے۔

دوسری طرف تاریخ ہمارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا ہے کہ " فردا اسلام کا ہے "۔ الجیریا سے لے کر جکارتا تک ' خود امریکہ اور یورپ میں ' ملتِ اسلامیہ میں بیداری کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ مستقبل اپنے دامن میں امکانیات کے بھرپور خزانے لیے ہمارا منتظر ہے۔

کل کی طرح آج پھر اصل سوال یہ ہے کہ " آیا ہم جماعتی حیثیت سے اس وقت حالات کے اس چیلنج کا جواب دینے کے قابل ہیں یا نہیں "۔ وقت جب یہ سوال سامنے لاتا ہے تو صورتِ حال یہی ہوتی ہے کہ " ہر موقع ہاتھ سے جانے کے لیے اور ہر امکان ختم ہونے کے لیے اور ہر خطرہ واقع ہو جانے کے لیے پر تولے کھڑا ہوتا ہے "۔ کیا یہ ہمارے مقصد کے لیے مفید ہو گا کہ ہم آنکھیں بند کر کے اپنی راہ چلتے رہیں ' اور " تمام مواقع کھو دیں ' سارے امکانات ضائع کر دیں ' ہر ممکن خطرے کو نازل ہونے دیں ؟ " یہ اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ فردا کو اسلام کا بننے سے روکنے کا ابلیسی حربہ یہی ہوا کرتا ہے کہ

ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے ۔۔۔ یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے ۔۔۔ پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

© rasailojaraid.com